

تذکرہ قرآن

۶۱

الصِّف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ سورہ کا عمود اور اس کا خطاب

اس سورہ میں خطاب ان مسلمانوں سے ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سمع و طاعت کا عہد کر چکے کے بعد اللہ کی راہ میں جہاد سے جی چڑا رہے تھے ان کو متنبہ فرمایا ہے کہ اگر عہدِ اطاعت میں داخل ہو چکے کے بعد تمھاری روش یہی رہی تو یاد رکھو کہ تمھارا بھی وہی حال ہوگا جو یہود کا ہوا۔ انھوں نے اطاعت کا عہد کر چکے کے بعد قدم قدم پر اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی۔ اس کج روی کی سزا ان کو یہ ملی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل اس طرح کج کر دیے کہ وہ ہمیشہ کے لیے ہدایت سے محروم ہو گئے۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آخری نبی کی بشارت لے کر آئے اور نہایت کھلے ہوئے معجزات دکھائے تو انھوں نے سارے معجزات کو جادو قرار دیا اور ان کو جھٹلا دیا اور اب وہ اسلام کی مخالفت کے درپے ہیں حالانکہ اسلام، ان کے اور مشرکین دونوں کے علی الرغم، اس سرزمین کے تمام ادیان پر غالب آ کے رہے گا۔ اس کے بعد اس صحیح روش کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جو مسلمانوں کو اختیار کرنی چاہیے اور جو اس عہد کا لازمی تقاضا ہے جو اللہ کے رسول سے انھوں نے کیا ہے۔ ساتھ ہی ان کو اس فتحِ عظیم کی بشارت دی ہے جو مستقبل قریب میں حاصل ہونے والی ہے اگر وہ اس عہد پر مضبوطی سے قائم رہے۔

آخر میں ان کے سامنے ان لوگوں کا نمونہ رکھا ہے جنھوں نے حق کی طرف سبقت اور اس کی تائید و رفاقت کی نہایت اعلیٰ مثال قائم کی اور دعوتِ دی ہے کہ پیروی کے قابل نمونہ ان کا ہے نہ کہ یہود کا جو ہمیشہ کے لیے اللہ کی ہدایت سے محروم ہوئے۔

ب۔ سابق سورتوں سے تعلق

غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح کچھلی مدنی سورتوں میں منافقین کا کردار زیر بحث رہا ہے اس طرح اس سورہ میں بھی انہی کے ایک گروہ کا کردار زیر بحث ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ کچھلی سورتوں میں جن منافقین سے بحث ہے وہ اپنے نفس کی داخلی کمزوریوں کے ساتھ ساتھ خارجی بندھنوں میں گرفتار تھے لیکن اس سورہ اور اس کے بعد کی مدنی سورتوں میں ان منافقین سے بحث ہے جن کی کمزوریاں بیشتر داخلی ہیں۔ مثلاً اس سورہ میں اور اس کے بعد سورہ جمعہ میں جو اس کے ثنی کی حیثیت رکھتا ہے، حبتِ مال و جان کی بیماری

کی نشان دہی کی گئی ہے اور اس کو ان کے نفاق کا سبب بتایا گیا ہے۔ ساتھ ہی ان کے علاج کی تدابیر کی نشان دہی بھی فرمائی گئی ہے۔

ج۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۴) سورہ کی تمہید جس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سمع و طاعت کا عہد کر چکے مگر باوجود اللہ کی راہ میں جہاد سے جی چرا رہے تھے۔ ان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ روش زیادہ مبغوض ہے کہ آدمی و ناداری کا عہد کر چکے کے بعد اس سے فرار اختیار کرے۔ اس کو محبوب وہ بندے ہیں جو اس کے ساتھ باندھے ہوئے عہد کی خاطر جب وقت آئے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بستہ ہو کر گر کر مپکا رہوں۔

(۵-۹) ایمان و طاعت کا عہد کر چکے کے بعد جو لوگ اللہ کی راہ میں جہاد سے جی چراتے ہیں وہ درحقیقت یہود کے نقش قدم کے پیرو ہیں۔ وہ اسی انجام سے دوچار ہوں گے جس سے یہود ہوئے۔ انھوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہی روش اختیار کی۔ اطاعت کا عہد بڑے جوش و خروش سے کرتے لیکن جب امتحان کا وقت آتا تو بالکل پھسٹی ثابت ہوتے۔ ان کے اس رویہ کا شکوہ حضرت موسیٰ نے بڑے سوز و درد کے ساتھ کیا لیکن وہ اس روش سے باز نہ آئے۔ اس کج روی کی منزا اللہ تعالیٰ نے، اپنی صفت کے مطابق، ان کو یہ دی کہ ان کے دل کج کر دیے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہدایت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے۔ چنانچہ ان کی یہی کج روی حضرت عیسیٰ کے معاملے میں بھی ظاہر ہوئی۔ آپ کا ظہور تو رات کی پیشین گوئیوں کے مطابق ہوا۔ آپ نے نہایت شاندار مجوزے دکھائے اور دنیا کے آخری مادی کے ظہور کی نہایت واضح الفاظ میں بشارت دی لیکن یہود کے دل اس قدر کج ہو چکے تھے کہ انھوں نے آپ کے سارے معجزات کو جادو کا کرشمہ بتایا اور آپ کی تکذیب کر دی اور اب اپنے جھوٹ اور افتراء کے بن پر اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ ساری خاکبازی لاعامل ہے۔ اسلام اللہ کا نور ہے اس کو اپنے مونہوں کی پھونک سے نہیں بجھا سکتے۔ وہ ان کے اور مشرکین دونوں کے علی الوتر تمام دیتوں پر غالب آکر رہے گا۔

(۱۰-۱۳) کمزور مسلمانوں کو صحیح راہ اختیار کرنے کی تلقین کر اب یہ تندہی اور منافقت کی روش چھوڑو۔ اللہ اور اس کے رسول پر سچا اور پکا ایمان لاؤ۔ دین کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرو۔ تیز و فلاح کی راہ ہی ہے بشرطیکہ سمجھو۔ اگر یہ راہ اختیار کر دو گے تو آخرت کی فلاح بھی حاصل ہوگی جو اصل کامیابی ہے اور اس دنیا میں بھی اللہ کی اس نصرت اور اس عنقریب ظاہر ہونے والی فتح سے سرفراز ہو گے جس کی تمنا رکھتے ہو۔

(۱۴) آخر میں حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی پیروی کی دعوت ہے۔ ابتدا میں یہود کی تقلید سے روکا ہے۔ یہ آخر میں ان تپڑتوں کی پیروی پر ابھارا ہے جن کی سبقت الی الخیر سے اس قسم کی راہ کھلی جو بالآخر اہل ایمان کے غلبہ پر منتہی ہوئی۔

سُورَةُ الصَّفِّ^(٦١)

مَدِينَةُ آيَات ١٣٠

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ② كَبُرَ مَقْتًا
 عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ③ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ
 يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ ④
 وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ
 أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ
 لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ ⑤ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
 يَا بَنِي إِسْرٰءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ
 مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ
 أَحْمَدٌ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ⑥
 وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكذِبَ وَهُوَ يُدْعَى
 إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ⑦ يُرِيدُونَ
 لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ

آيات
٩-١

الْكَافِرُونَ ۸ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ
الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۹

اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور وہی

غالب و حکیم ہے۔ ۱۔

اے ایمان والو! تم وہ بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں! اللہ کے نزدیک یہ بات
زیادہ غصتہ کی ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔ اللہ تو محبوب ان لوگوں کو رکھتا ہے جو
اس کی راہ میں صفت بستہ ہو کر اس طرح لڑتے ہیں گو یا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔
اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اے میرے ہم قومو! تم مجھے کیوں دکھ
پہنچاتے ہو حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔
تو جب وہ کج ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل کج کر دیے اور اللہ نافرمانوں کو راہ یاب نہیں
کیا کرتا۔ ۵۔

اور یاد کرو جب کہ کہا عیسیٰ بن مریم نے، اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ
کا بھیجا ہوا رسول ہوں، مصداق ہوں تو رات کی ان پیشین گوئیوں کا جو مجھ سے پہلے سے
موجود ہیں اور خوش خبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام
احمد ہو گا، تو جب وہ آیا ان کے پاس کھلی نشانیں کے ساتھ تو انھوں نے کہا کہ یہ تو کھلا
ہوا جادو ہے۔ ۶۔

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ تہمت باندھے درآئیکہ
اس کو اسلام کی طرف بلا یا جارا ہو! اور اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا۔ وہ چاہتے ہیں

کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں کی پھونک سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کامل کر کے رہے گا
ان کافروں کے علی الرغم۔ وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے
ساتھ تاکہ اس کو غالب کرے تمام دینوں پر اگر یہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزے۔ ۷۔ ۹

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيْمُ (۱)

یہ آیت تشریح و تخریص کے محل میں بھی ہو سکتی ہے اور اظہار بے نیازی کے محل میں بھی۔ آگے جہاد سے آیت تسبیح
جان چرانے والے منافقین کو ان کی بد عہدی و بزدلی پر ملامت کی گئی ہے۔ اس مضمون سے یہ آیت اپنے کا آگے کے
مذکورہ دونوں پہلوؤں سے ربط رکھتی ہے۔ اگر تشریح و تخریب کے پہلو سے نگاہ ڈالیے تو مطلب یہ ہوگا ^{مضمون سے ربط}
کہ جس خدا کی تسبیح و بندگی میں اس کائنات کی ہر چیز مرگم ہے، جو ہر چیز پر غالب اور جس کے ہر کام میں حکمت
ہے اس کی راہ میں جہاد سے اگر کوئی جان چرائے تو اس پر حیف ہے!

بے نیازی کے پہلو سے نگاہ ڈالیے تو مطلب یہ ہوگا کہ جب اس کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح و
بندگی میں لگی ہوئی ہے اور حقیقی غالب و حکیم وہی ہے تو اس کو اس بات کی کیا پروا ہو سکتی ہے کہ کچھ
بزدل اس کی راہ میں جہاد سے جان چراتے پھرتے ہیں۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اس سورہ میں 'سَبَّحَ' آیا ہے اور اگلی سورہ میں 'يُسَبِّحُ' ہے۔
ان دونوں اسلوبوں میں یہ فرق ہے کہ ماضی بیان واقعہ اور بیان حقیقت کے لیے آتا ہے اور مضارع
تصویر حال اور استمرار کا فائدہ بھی دیتا ہے۔

أَلْعَزِيزُ الرَّحِيْمُ کی دو صفتوں کا بغیر حرف عطف کے بیان اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں
صفتیں موصوف میں بیک وقت پائی جاتی ہیں۔ یعنی وہ بیک وقت ہر چیز پر غالب و قادر بھی ہے
اور اس کے ہر کام میں حکمت و مصلحت بھی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو ذات ان صفات سے موصوف ہے
اس سے بڑھ کر بھروسہ کے قابل اور کس کی ذات ہو سکتی ہے! بد قسمت ہیں وہ جو ایسی ذات پر بھی
بھروسہ نہ کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۗ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ
أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (۲-۳)

خطاب اگرچہ باعتبار الفاظ عام ہے لیکن روئے سخن انہی کی طرف ہے جو ایمان و اسلام اور

انفاق و جہاد کے دعوے تو بڑی بلند آہنگی سے کرتے لیکن جب آزمائش کا وقت آتا تو بالکل بزدل ثابت ہوتے۔ ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم اس بات کا دعویٰ ہی کیوں کرتے ہو جو پورا کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے! اگر تمہارا گمان یہ ہے کہ اس زبانی جہاد سے تم کوئی سعادت کی کمانی کر رہے ہو تو یہ خیال بالکل غلط ہے تمہارا یہ رویہ اللہ کے نزدیک تمہارے لیے موجب سعادت نہیں بلکہ مزید غضب کا باعث ہے کہ تم زبان سے تو بڑے غازی ہو لیکن عمل کے اعتبار سے بالکل صفر۔

آدمی کے قول و قرار کی ساری تدبیر و تدبیریت اس کی وفاداری و راستبازی میں ہے۔ ایک شخص ایک طالبِ مدد کو پہلے ہی مرحلے میں اگر صاف جواب دے دیتا ہے کہ وہ اس کی مدد نہیں کرے گا تو گواہی کا انکار اگر وہ مدد کی اہلیت رکھتا ہے، فتوت، ہمدردی اور اسلامی اخوت کے منافی اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ فعل ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ اللہ کے نزدیک مبغوض وہ ہو گا جس نے ایک ضرورت مند کو مدد کا اطمینان تو بڑی فراخ دلی سے دلایا لیکن جب وعدہ پورا کرنے کا وقت آیا تو اس کو دھوکا دیا۔

یہ رویوں تو ہر شکل میں مکروہ و مبغوض ہے لیکن معاملہ ایک نبی اور اس پر ایمان کے مدعیوں کا ہو تو اس کی سنگین اور بڑھ جائے گی۔ جو لوگ ایک نبی کی دعوت قبول نہیں کرتے وہ اللہ کے غضب کے سزاوار ہوتے ہیں اور ان کو سزاوار ہونا چاہیے لیکن ان سے بھی زیادہ اللہ کے غضب کے سزاوار وہ ہیں جو ماننے کو تو اس کی ہر بات مان لیں لیکن عمل کسی بات پر بھی نہ کریں یا صرف ان باتوں پر کریں جو ان کے نفس کی خواہشوں کے موافق ہوں اور جب کوئی اہم معاملہ پیش آئے تو اس ذلت چھپتے پھریں۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا رویہ کھلے ہوئے دشمنوں کے مقابل میں دین کے لیے زیادہ خطرناک ہے اس لیے کہ انہوں نے اپنے کو دوست ظاہر کر کے دین کی دشمنی کی اور اس کی فوج میں بھرتی ہو کر اس کے ساتھ غداری کے فریب ہوئے۔ ان کے زیادہ معتوب الہی ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب ایک مرتبہ انہوں نے دین کو مان لیا تو گویا انہوں نے اس امر کا اعتراف کر لیا کہ یہ چیز ان کے دل کو اپیل کرنے والی اور ان کی سمجھ میں آنے والی ہے۔ اس پہلو سے ان کا معاملہ ان لوگوں سے بالکل مختلف ہو جاتا ہے جو اس کے مخالف اس بنا پر ہوں کہ ابھی بات ان کی سمجھ میں سرے سے آئی ہی نہ ہو۔ کسی بات کا سمجھ میں نہ آنا بہر حال ایک عذر ہے جس کی بنا پر ایک شخص رعایت کا مستحق قرار پاتا ہے لیکن جو لوگ سمجھ چکے کا اعتراف کر چکے ہوں اگر وہ اس کے عملی تقاضوں سے گریز اختیار کریں تو اس کا سبب صرف ان کی اخلاقی کمزوری ہی ہو سکتی ہے جو کسی کے لیے بھی کوئی عذر نہیں بن سکتی بلکہ یہ بہر شکل ایک برائی ہے جو اللہ کے غضب اور اس کی نفرت ہی کی موجب ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَانُوا مِنْهُمْ بُيُوتًا مَوْصُوعًا (۴)

یہ ان منافقین کی اس کمزوری سے پردہ اٹھایا ہے جس پر یہ نیک فرمائی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کی

خاص کمزوری یہ تھی کہ اپنی وفاداری و جان نثاری کی دھونس جمانے کے لیے وہ جہاد کے دلولہ کا اظہار تو بہت کرتے لیکن جب جہاد کا حکم دے دیا گیا تو پھپھتے پھرتے تھے۔ سورہ نساء میں ان کی کمزوری کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ
كُنُوْا اَيُّدِيْكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَاَتُوا الزَّكٰوةَ ۗ فَلَمَّا كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرَّوْا
وَمِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ
كَخَشِيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ
خَشِيَةً ۗ (النساء - ۳: ۷۷)

تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا جاتا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھ روکو اور نماز کا اہتمام کرو اور زکوٰۃ دو (تو وہ جنگ کے لیے جلدی مچاتے تھے) لیکن جب جنگ ان کے اوپر فرض کر دی گئی تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے اس طرح ڈر رہا ہے جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔

سورہ توبہ میں انہی لوگوں کو ان الفاظ میں ملامت فرمائی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا كُنْتُمْ اِذًا قِيْلَ
لَكُمْ فَعَرَوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّا قَتَلْنَا
رِاٰلِ الْاَرْضِ (التوبة - ۹: ۳۸)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے اٹھو تو تم زمین پر ڈھٹے پڑتے ہو۔

ان لوگوں کی بزدلی کا حال یہ تھا کہ اگر مارے باز رہے جنگ کے لیے نکلتے بھی تو صفت بستہ اور سینہ پیر ہو کر رٹنے کا حوصلہ نہ کرتے بلکہ ان کی کوشش برابر یہ ہوتی کہ کسی طرح جنگ کے خطرہ سے اپنے کو محفوظ رکھیں۔ سورہ توبہ میں ان کی اس بزدلی کی تصویر اس طرح کھینچی گئی ہے:

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَآءً مَّغْرِبًا اَوْ
مَدْخَلًا لَّوَلَّوْا لَآيٰهٖ وَهُمْ
يَجْمَحُوْنَ ۗ (التوبة - ۱۹: ۵۷)

اگر وہ پاجائیں کوئی پناہ گاہ، یا غاریا کوئی گس پیٹھنے کی جگہ تو دم رسی تڑا کر اس کی طرف بھاگیں گے۔

ان لوگوں کی انہی کمزوریوں کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ تم نے محض زبانی جمع خرچ سے اللہ کو خوش کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے یہ اس کو خوش کرنے کے بجائے اس کے تہ و غضب میں مزید اضافے کا موجب ہوگا۔ اللہ ان لوگوں کو کبھی پسند کرنے والا نہیں ہے جو ڈینگیں تو بہت ماریں لیکن قربانی کا کوئی حوصلہ اپنے اندر نہ رکھتے ہوں۔ وہ محبوب انہی لوگوں کو رکھتا ہے جو میدان جنگ میں سیدہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہوتے ہیں اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں۔

’بُنْيَانٌ‘ عمارت کو کہتے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد دیوار ہے۔ دیوار کی ایک اینٹ بھی اگلا اپنی جگہ سے کھسک جائے تو پھر پوری دیوار کو اکھاڑ پھینکنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے

سورہ انفال میں تبیہ فرمائی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص منظم فوج کشی کی صورت میں صف سے اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگتا ہے تو وہ اللہ کا غضب لے کر لڑتا ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے: فَقَدْ بَايَرُوا يَتَصَبَّ مِنْ اللَّهِ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ وَلَا يَبْئُؤُنَ النَّاصِبِينَ (الانفال - ۸: ۱۶) (تو وہ اللہ کا غضب لے کر

لوٹا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ نہایت ہی برا ٹھکانا ہے)۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ لِيَقُومُوا لِيَوْمٍ أَلَمَتْهُمُ فِيهِ أَمَلٌ كَثِيرٌ وَقَدْ كَفَرْتُمْ أَنْتُمْ أَنْتُمْ وَالرَّسُولُ اللَّهُ الْكَبِيرُ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاعَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَلَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (۵)

منافقین کی اس روش کے انجام کو مثال سے واضح فرمایا ہے کہ یہی روش یہود کی رہی ہے، وہ جہاد کے لیے جوش و جذبہ کا اظہار تو بہت کرنے لگیں جیسا امتحان کا وقت آتا تو ڈگ ڈال دیتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب انہیں فلسطینیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا تو وہ یہ جواب دے کر بیٹھ رہے کہ یہ بڑے زور آور لوگ ہیں، ہم ان کی تلواروں کا لقمہ بننے کے لیے تیار نہیں ہیں، آپ اپنے رب کے ساتھ جا کر ان سے لڑو، ہم تو جب تک وہ اس شہر کو خالی نہیں کریں گے اس میں داخل ہونے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

منافقین کی روش
کی مثال

ان کی یہی روش اس جنگ کے معاملے میں بھی رہی جس کا ذکر سورہ بقرہ میں ہوا ہے کہ جہاد کے لیے قائد کا انتخاب تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے بڑے جوش و خروش سے کر لیا لیکن جیسا قائد کا انتخاب ہو گیا تو اس کی قیادت میں جنگ سے انہوں نے انکار کر دیا۔

تورات کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہو گا کہ ایک موقع بھی ایسا نہیں گزرا ہے جب انہوں نے پوری خوش دلی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کی ہو۔ ان کی اس روش پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بار بار نصیحت دل سوزی کے ساتھ اپنے غم و غصہ کا اظہار بھی فرمایا ہے اور نصیحت سخت الفاظ میں ان کو ملامت بھی کی ہے لیکن آخر وقت تک ان کی روش میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، بلکہ ان کے دل کی سختی بڑھتی ہی گئی۔

لِيَقُومُوا لِيَوْمٍ أَلَمَتْهُمُ فِيهِ أَمَلٌ كَثِيرٌ وَقَدْ كَفَرْتُمْ أَنْتُمْ أَنْتُمْ وَالرَّسُولُ اللَّهُ الْكَبِيرُ۔ یہ حضرت موسیٰ کے اپنی شکوہ کا حوالہ ہے جو اپنی قوم کی بد عہدیوں اور نافرمانیوں پر انہوں نے بار بار کیے ہیں اور جن سے تورات بھری پڑی ہے۔ یہود کو حضرت موسیٰ کی نبوت میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ انہیں اچھی طرح علم تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن اس کے باوجود محض اپنی پست ہمتی، دنیا طلبی اور دناوت کے سبب سے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، ان کی برا برباد فرمائی کرتے رہے۔

فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاعَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ۔ یہ وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ نے، اپنی سنت کے مطابق، ان کو دی کہ بار بار کی تبیہ و تذکیر کے بعد بھی انہوں نے اپنے دل کے رنج کو سیدھا نہیں کیا تو اللہ نے

ان کے دل کو اسی رخ پر کج کر دیا جس کو انھوں نے اپنے لیے پسند کیا۔ انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ آدمی اسے جس رخ پر لگائے اسی رخ پر لگ جاتی ہے۔ اگر اس کو آپ عقل و فطرت کے خلاف کسی غلط رخ پر موڑیں گے تو وہ شروع شروع میں اس پر مڑنے سے انکارے گی لیکن آپ اسے موڑنے پر بضد رہیں گے تو بالآخر اسی سانچے پر وہ ڈھل جائے گی۔

ہدایت و ضلالت کے معاملے میں انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس کی طبیعت کے اسی اصول ہدایت و ضلالت کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی کو ہدایت پر مجبور کرتا نہ ضلالت پر۔ اس نے انسان کے اندر نیکی اور بدی کا شعور دے کر اسے آزادی بخشی ہے کہ چاہے وہ نیکی کی راہ اختیار کرے یا بدی کی۔ اگر وہ نیکی کی راہ اختیار کرتا ہے تو وہ اس کو اس کی توفیق ارزانی فرماتا ہے اور اگر وہ بدی کی راہ پر جانا چاہتا ہے تو وہ اس کو اس کی ڈھیل بھی دے دیتا ہے، اگر چاہتا ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہ نہیں ہے کہ کوئی پسند تو کرے ضلالت لیکن وہ اس کے اندر زبردستی ہدایت ٹھونسے۔ ہدایت اسی کو ملتی ہے جو اس کی قدر کرتا اور اس کا طالب بنتا ہے۔

یہ ان منافقین کو، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ تم بھی یہ سوچو کہ اسی روش کی پیروی کرو گے تو تمھارے دل بھی اسی طرح کج کر دیے جائیں گے جس طرح ان کے دل کج کر دیے گئے۔ پھر تم ہمیشہ غلط رخ ہی پر چلو گے، اصراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤ گے۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَبَشِيرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ (۶)

اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ ان کے دل کی ہی کجی کا اثر ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان دلنے سے بھی محروم رہے اور جس آخری رسول کی بشارت آنجناب نے دی اس کی تکذیب کے لیے بھی انہیں جوبند آج رات دن خاکبازی میں مصروف ہیں حالانکہ ان کی تمام مخالفتوں کے علی الرغم اللہ کا یہ نور کامل ہو کر ان کے دل پر گرا رہا ہے، نہ یہ اس کا کچھ بگاڑ سکیں گے نہ شکر کہیں قریش۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ ان کے ذکر سے مقصود یہ دکھانا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نبی اسرائیل نے جو سلوک کیا اور اس کی پاداش میں ان پر جو لعنت ہوئی، اس کا اثر بدان پر آخر تک تسلط رہا یہاں تک کہ اسی کے نتیجے میں انھوں نے حضرت مسیح کی بھی تکذیب کی اور اب اسلام کی جو مخالفت کر رہے ہیں یہ بھی اسی کا اثر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بیماری ایسی جان لیوا ہے کہ ایک مرتبہ لگ گئی تو پھر اس سے جان چھڑانا ناممکن ہے۔ سلامتی اسی میں ہے کہ اس کی چھوت نہ

لگنے دی جائے۔

‘مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ السُّورَةِ’۔ یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر فرمائی کہ میرے ظہور سے ان پیشین گوئیوں کی تصدیق ہوئی ہے جو میرے باپ میں تورات کے صحیفوں میں موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سب سے زیادہ واضح بشارت قرآن کے پیش رو حضرت یحییٰ نے دی۔ انھوں نے اپنا خاص مشن ہی یہ بتایا کہ وہ اپنے بعد آنے والے کی خوش خبری دینے آئے ہیں۔ اپنی اسی بشارت کے ضمن میں انھوں نے ان پیشین گوئیوں کا بھی حوالہ دیا جو حضرت عیسیٰ کے بارے میں پہلے سے موجود تھیں اور جن کی بنا پر لوگوں کو ایک نبی کی بعثت کا انتظار تھا۔ یہ ساری چیزیں اپنے محل میں بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں اعادے کی گنجائش نہیں ہے۔

‘مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ’ کے لغوی مفہوم پر اس کے محل میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔ جو لوگ اس کے معنی یہ لیتے ہیں کہ میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں، انھوں نے نہ تو اس کلام کا موقع و محل سمجھا ہے نہ ‘مُصَدِّقًا’ کا صحیح لغوی مفہوم وہ متعین کر سکے ہیں۔ حضرت مسیح نے یہ بات اپنے کو مومن با التوراة ظاہر کرنے کے لیے نہیں فرمائی ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اپنی نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر فرمائی ہے اور قرآن میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اسی سیاق میں آیا ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ بات بالکل لا حاصل ہے کہ میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ اگر انھوں نے تورات کی تصدیق فرمائی تو اس سے جو بات ثابت ہوئی وہ صرف یہ ہے کہ وہ تورات پر ایمان رکھتے تھے لیکن اس سے ان کی نبوت و رسالت کس طرح ثابت ہو جائے گی؟ پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ تورات کے ہر حصہ کی تصدیق نہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمائی ہے نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اس کی تحریفیات سے پردہ اٹھایا ہے اور قرآن نے بھی۔ بلکہ قرآن نے تو اس کے اچھی طرح نیچے ادھیڑے ہیں۔

‘وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنَ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ’۔ یعنی ساتھ ہی حضرت مسیح نے اپنا مشن بھی بتایا کہ میں ایک رسول کی خوش خبری دینے آیا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہو گا۔ جہاں تک اس رسول کی پیشین گوئی کا تعلق ہے وہ تو سیدنا ابراہیم کے زمانے سے چلی آرہی ہے جیسا کہ ذکر اگلی سورہ میں بھی آ رہا ہے۔ حضرت ابراہیم کے بعد حضرت موسیٰ نے بھی اس رسول کی خوش خبری دی۔ بعض دوسرے انبیاء سے بھی تورات کے مختلف صحیفوں میں پیشین گوئیاں موجود ہیں اور اہل کتاب ان کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مانیں یا نہ مانیں لیکن ایک غیر جانبدار ذہن یہ ماننے پر مجبور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور پر وہ منطبق نہیں ہو سکتیں۔ الفرض جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا تعلق ہے اس میں حضرت مسیح علیہ السلام منفرد نہیں ہیں لیکن

آنجناب کی بشارت تین پہلوؤں سے دوسری سابق بشارتوں سے بالکل مختلف ہے۔
ایک یہ کہ آپ نے اس بشارت کو اپنا ایک ضمنی کام نہیں بلکہ اپنی بعثت کا خاص مقصد اور مشن
تجایا ہے۔

دوسرا یہ کہ آپ نے اس کے ظہور کا زمانہ بھی بالکل قطعی طور پر متعین کر دیا ہے۔

تیسرا یہ کہ آپ نے یہ بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کی تصریح کے ساتھ دی ہے۔

یہ تینوں پہلوؤں سے اہم ہیں اس وجہ سے ہم بالا اختصار ان پر یہاں گفتگو کریں گے۔

پہلی بات یعنی حضرت مسیح کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت پر مامور ہونا ان کے الفاظ **مُبَشِّرًا**
بِسُدُسُوٰی یَاقُیُّمِن بَعْدِ عِیْسَى سے بھی واضح ہے لیکن اس سے بڑی دلیل خود اس صحیفہ کا نام ہے
جو ان پر نازل ہوا۔ لفظ **انجیل** بلا اختلاف یونانی ہے جس کے معنی **کلم** طور پر بشارت کے ہیں۔ سوال یہ ہے
کہ تمام آسمانی صحیفوں میں یہی صحیفہ خاص طور پر اس لفظ سے کیوں موسوم ہوا؛ عیسائی مکتب سے نجات سے متعلق
اپنے من گھڑت عقیدے کی بنا پر اس کی توجیہ یہ کریں کہ یہ نبی آدم کے لیے نجات کی بشارت ہے، لیکن یہ
توجیہ بالکل طفلانہ ہے۔ نجات سے متعلق جو عقیدہ پال نے گھڑا ہے اس کی کوئی اسٹی سیدھی دلیل پال
کے لائین علم کلام میں ہو تو ہو لیکن ان انجیلوں میں اس کی کوئی کمزور سے کمزور دلیل بھی نہیں ہے۔ انبیاء
علیہم السلام کا مشن جس طرح بشارت رہا ہے اسی طرح ہنر کے زائد انڈا بھی رہا ہے اور یہ دونوں
خرم جس طرح ہرنی نے انجام دیے اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی انجام دیے۔ انھوں نے ایمان
لانے والوں کو فوز و فلاح کی بشارت بھی دی اور کفر کرنے والوں کو دوزخ سے ڈرایا بھی پھر کوئی وجہ
نہیں تھی کہ ان کے صحیفہ کا نام مخصوص طور پر بشارت (انجیل) ہی ہوتا۔ البتہ اس نام سے موسوم ہونے کی
یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا امتیازی وصف اور خاص مشن تھا ہی یہ کہ وہ اپنے بعد آنے
والے آخری رسول کی بشارت دیں۔ اس مشن پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کر کے بھیجے گئے تھے۔
اس وجہ سے ان کے صحیفہ کا نام ہی بشارت (انجیل) ہوا کہ نام ہی سے آپ کے مشن کا اظہار ہوا اور یہ نام
قیامت کے دن عیسائیوں پر حجت بنے کہ جس کی بشارت دینے پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوئے
اس پر ایمان لانے سے خود محروم رہے اور سیدنا مسیح علیہ السلام کی کنواریوں والی تمثیل ان پر صادق آئی
کہ رات بھر تڑوہ شمعیں جلائے دو لہا کا انتظار کرتی رہیں لیکن جب دو لہا کے آنے کا وقت ہوا تو ان
کی کپڑیوں کا تیل ختم ہو گیا اور وہ سو رہیں۔

انجیلوں کا تدریس سے مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان کا خاص مضمون آسمانی بادشاہت کی بشارت
بے مختلف اسلوبوں، پیرایوں اور گونا گوں تمثیلوں سے ہی مضمون ان میں بار بار آتا ہے۔ اس آسمانی
بادشاہی کی جو خصوصیات بیان ہوتی ہیں، اس کے تدریجی نشوونما کا جو تصور دیا گیا ہے، اس میں داخل

ہمنے والوں اور اس سے محروم رہنے والوں کے جو اوصاف مذکور ہوئے ہیں اگر ان پر اچھی طرح غور کیجیے تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ یہ درحقیقت اس نبوت کی بشارت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی شکل میں ظاہر ہوئی اور اس نظام صانع کی خوش خبری ہے جس کی برکتیں صحابہؓ کے ہاتھوں زمین پر پھیلیں۔ یہاں اس مسئلہ کی وضاحت کا موقع نہیں ہے ورنہ میں مثالیں دے کر اپنا نقطہ منظر اچھی طرح واضح کر دیتا۔ تاہم مجھے امید ہے کہ جو لوگ انجیلیوں پر اس پہلو سے غور کریں گے وہ میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ ان کا اصل مضمون اس آسمانی بادشاہی کی بشارت ہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے قائم ہوئی۔

اس پیشین گوئی میں زمانے کے تعین کی بات بھی اس کی اہمیت کو بہت بڑھا دیتی ہے۔ اس سے پہلے جتنی پیشین گوئیاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء علیہم السلام کے باب میں وارد ہوئیں ان میں سے کسی میں بھی اس تصریح کے ساتھ زمانے کا تعین نہیں ہے بلکہ سب ایک غیسب معین مستقبل سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ لیکن اس پیشین گوئی میں یہ تصریح ہے کہ وہ رسول آپ کے بعد آئے گا اور آپ اس کی بشارت دینے اور اس آنے والے کی راہ صاف کرنے آئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سیدنا مسیحؑ کے بعد وہ کون شخصیت اس پوری دنیا میں ظاہر ہوئی ہے جس پر وہ صفات یا وہ تشبیہات منطبق ہو سکیں جو انجیلا نے اس کے باب میں یا اس کے ہاتھوں قائم ہونے والے نظام سے متعلق فرمائی ہیں؟ ضد اور ہٹ دھرمی کی بات اور ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کے جواب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کا نام نہیں لیا جاسکتا۔ اگر عیسائی یہ نام نہیں لینا چاہتے تو پھر انہیں انجیلیوں سے بھی دست بردار ہو جانا چاہیے۔ آخر وہ کب تک ایک ایسی بشارت دیتے رہیں گے جس کا کوئی مصداق دو ہزار سال میں ظاہر نہیں ہوا۔

نام کی تصریح کے ساتھ بشارت مسئلہ کا تیسرا پہلو بھی نہایت اہم بلکہ سب سے زیادہ اہم ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت نام کی تصریح کے ساتھ دی ہے۔ نام کی مراحت کے ساتھ اس پیشین گوئی کا ظہور میں آنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس میں کسی قسم کا تخفانہ نہ رہے بلکہ ہر چیز اس طرح کھل کر سامنے آجائے کہ جو لوگ اس کا انکار کریں ان کی ہٹ دھرمی بالکل بے نقاب اور ان پر اللہ کی تہمت اچھی طرح قائم ہو جائے۔

ناموں کا تعریف لیکن ناموں کے اوپر تخریف کرنے والوں نے جو نیا مت ڈھائی ہے وہ سب سے زیادہ دردناک ہیں اور کتاب ہے۔ انہوں نے یا تو ان ناموں کا علیہ اس طرح بگاڑا کہ ان کی اصل صورت معلوم کرنے کا کوئی امکان ہی کی جارت باقی نہ رہ جائے یا ان کا ترجمہ اور پھر ترجمہ در ترجمہ کر کے ان کو حقیقت سے اتنا دور کر دیا کہ ان کی تحقیق کی کاوش جوئے شیر لانے کے مترادف بن گئی۔

اس کی مثال کے لیے ہم ”مردہ“ اور ”بکہ“ کو پیش کرتے ہیں۔ یہ دونوں نام تورات میں آئے ہیں۔ مردہ وہ قربان گاہ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کی اور ”بکہ“ وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بسایا اور جن کی ذریت سے ایکے رسول کی بعثت کی دعا فرمائی۔ چونکہ یہودیہ بابت کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ حضرت ابراہیمؑ کا کوئی تعلق مکہ سے ثابت ہو سکے یا یہ کہ قربان ہونے والا فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کو قرار دیا جاسکے اس وجہ سے انھوں نے نہایت سفاکی کے ساتھ ہر اس نشان کو تورات سے کھرچ کھرچ کر مٹا یا جس کو انھوں نے اپنی خواہش کے خلاف پایا۔ چنانچہ ”مردہ“ کو ان کے علماء اور قاریوں نے زبان کے ٹوڑ مڑ سے ”مورہ، موزیا، مریا اور نہ جانے کیا کیا بنایا۔ اسی طرح ”بکہ“ کو ”بکار“ بنایا اور پھر اس کو ”وادی بکار“ کا نام دے کر ترجموں نے اس کا ترجمہ ”وادی گریہ“ کر دیا حالانکہ ”بکہ“ اور ”مردہ“ دونوں ایک ہی چیز ہے۔ اس کی تحقیق اس کتاب میں اس کے محل میں گزر چکی ہے۔

ان دو مثالوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تورات اور انجیل میں ان ناموں پر کیا گزری ہے جن کو یہودیوں یا عیسائیوں نے اپنے مقصد کے خلاف پایا ہے۔ خاص طور پر ”احمد“ یا ”محمد“ تو ایسے نام ہیں کمان کا کوئی حرف بھی وہ گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ انجیلوں سے یہ بات تو صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے نام کی تصریح کے ساتھ حضور کی بعثت کی بشارت دی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عیسائی علماء نے اس نام پر پردہ ڈالنے میں وہ کمال فن دکھایا ہے کہ یہود کے سوا کوئی اور اس کمال میں ان کا حریف نہیں ہو سکتا۔

پہلے ہم انجیل یوحنا سے وہ حوالے نقل کرتے ہیں جن میں حضور کی بشارت دی گئی ہے، اس کے بعد ان کے خاص خاص پہلوؤں کی طرف توجہ دلائیں گے۔ سیدنا مسیح فرماتے ہیں:

”اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ ہے۔“

یعنی سچائی کا روح“ (یوحنا۔ باب ۱۶: ۱۷)

”لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو

کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلانے گا“ (یوحنا۔ باب ۱۴: ۲۶)

”اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں منکر کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ

نہیں“ (یوحنا۔ باب ۱۴: ۳۰)

”لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا

روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا“ (یوحنا - بائبل : ۲۶)

” لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے نائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔“ (یوحنا - بائبل : ۷)

” مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا“ (یوحنا - بائبل : ۱۶ - ۱۳)

یہ حوالے ہونے انجیل یوحنا سے لیے ہیں جو عیسائیوں کے تمام فرقوں کے نزدیک مسلم ہے۔ انجیل بڑا باہس میں حضور کی بشارت آپ کے نام نہی محمدؐ کی تصریح کے ساتھ بار بار وارد ہوئی ہے لیکن اس کے حوالے ہم اس لیے نہیں دے رہے ہیں کہ موجودہ عیسائی، جو پال کے پیرو ہیں، اس کو مستند نہیں مانتے۔ مذکورہ بالا حوالوں پر غور کیجیے تو چند باتیں بالکل واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ایسی واضح صفات کے ساتھ دی ہے کہ وہ حضور کے سوا کسی دوسرے پر منطبق نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً

” وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ اب تک تمہارے ساتھ رہے۔“

” وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔“

” دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔“

غور کیجیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کون ہے جس کو ان صفات کا مصداق قرار دیا جاسکے؟

دوسری یہ کہ ان پیشین گوئیوں کے پیش و عقب میں اگرچہ ایسے بے جوڑ فقرے اور الفاظ گھسانے کی کوشش کی گئی ہے جن سے ان کے مطلب کو خبط کیا جاسکے لیکن اس کوشش میں تحریف کرنے والوں کو کامیابی نہیں ہوئی ہے بلکہ ان فقروں کا بے ربط ہونا بالکل نمایاں ہے۔

تیسری یہ کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں کوئی معین لفظ فرمایا جس کو بعد کے مترجموں اور شارحوں نے اپنی تحریف کا خاص طور پر ہدف بنایا اور اپنا پورا زور لگایا ہے کہ اس کو جس حد تک اس کے صحیح مفہوم سے دور کر سکیں کر دیں۔ کسی نے اس کا ترجمہ مددگار کیا ہے۔ کسی نے ’وکیل‘، کسی نے شیخ، کسی نے ’سچائی کی روح‘، رہا یہ کہ وہ لفظ کیا ہے تو یوحنا میں جو یونانی لفظ استعمال ہوا ہے وہ (PARACLETUS) بتایا جاتا ہے جس کے معنی بیان کرنے میں وہ موثر گانیاں کی گئی ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔ یہ یونانی لفظ ظاہر ہے کہ کسی سربانی لفظ کا ترجمہ ہوگا اس لیے کہ انجیل کی اصل زبان سربانی تھی تو اب اس کی تحقیق کون کرے کہ وہ کیا تھا۔ جب ایک لفظ کو گم

کرنے کی جلد جہد میں صدیوں سے ایک پوری قوم کی تویم لگی ہو تو اس کا سراغ لگانا کس کے اسکان میں ہے! یہ تو قرآن کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس کا کچھ سراغ دیا۔ بعض مسلمان مورخین کی تحقیق یہ ہے کہ اصل سرانی لفظ منحننا ہے جس کے معنی سر یا فی میں وہی ہیں جو محمد اور احمد کے ہیں۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ - جَاءَ کے فاعل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یہود کی شقاوت یعنی وہ سابق پیشین گوئیوں کے مصداق اور اپنے بعد آنے والے رسول خاتم کے مبشر بن کر نہایت کلمے ہوئے معجزات کے ساتھ جب آئے تو یہود کے دل اس طرح کچ ہو چکے تھے کہ انہوں نے آپ کے تمام معجزات کو جادو قرار دیا اور آپ کی تکذیب کر دی۔ انجیل میں تصریح ہے کہ یہود نے آپ کے معجزات کو جادو کا کرشمہ بھی قرار دیا اور یہ بھی کہا کہ یہ جو کچھ دکھاتے ہیں اس میں روح القدس کی تائید کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ ان کو ایک بھوت، بعلزبول کی مدد حاصل ہے۔ بعض لوگوں نے جَاءَ کا فاعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے لیکن یرساق و سباق کے بالکل خلاف ہے۔

یہاں اس فرق کو بھی ملحوظ رکھیے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کے انداز خطاب میں نمایاں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زبانی اسرائیل کو نِقْمُور سے مخاطب کیا لیکن حضرت مسیح نے ان کو نَبِيْنِيْ دَا سُوْا يَنْبِيْا سے مخاطب کیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قومی تعلق نہ آپ کا بنی اسرائیل سے تھا نہ کسی اور قوم سے، بلکہ آپ عیسیٰ بن مریم تھے۔ قرآن نے خطاب کے ان بار یک پہلوؤں کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَىٰ الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (۴)

یہ یہود کی بد قسمتی پر اظہارِ افسوس ہے کہ اپنی جس کجی کے سبب سے انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تکذیب کی اسی کجی نے اب ان کو اسلام کی مخالفت پر ابھارا ہے۔ فرمایا کہ ان سے بڑھ کر اپنی جان پر ظلم ڈھانے والا کون ہو سکتا ہے جن کو اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو اور وہ اسلام کی مخالفت کے پہلے پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر طرح طرح کے جھوٹ گھڑ رہے ہوں۔

افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ سے ان باتوں کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے اپنی بزرگی و برتری ثابت کرنے کے لیے اپنی شان میں گھڑ رکھی تھیں۔ مثلاً یہ کہ ہم ایک برگزیدہ اور خدا کی منظور نظر امت ہیں، ہم کسی ایسے نبی کی ہدایت کے محتاج کس طرح ہو سکتے ہیں جو امتیوں کے اندر پیدا ہوا ہو؟ نبوت و رسالت کے لیے تو ہمیشہ سے اسرائیل کا گھرانہ مخصوص رہا ہے، اس سے باہر کوئی نبی کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟ اسی ضمن میں یہ بات بھی انہوں نے گھڑ رکھی تھی کہ ہمیں تو یہ ہدایت ہے کہ ہم کسی ایسے شخص کے دعوائے نبوت کی تصدیق ہی نہ کریں جس کی پیشین گوئی قربانی کو کھانے کے لیے آسمان سے آگ نہ اترے۔ قرآن

نے سورہ بقرہ میں ان تمام من گھڑت باتوں کی تردید فرمائی کہ یہ سب افتراء ہیں، اللہ نے کہیں بھی اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی ہے۔ اپنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں فرمایا کہ کتنے محروم قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اسلام کی دعوت دی جا رہی ہے اور وہ خود اپنی آنکھوں میں اپنی ہی گھڑی ہوئی خرافات کی دھول جھونک رہے ہیں۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ یہ اس سنبت الہی کی طرف پھر اشارہ فرمادیا جو آیت ۵ میں بیان ہوئی ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو راہ یاب نہیں کرتا جو خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھالتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو اہل پر یہ احسان فرمایا کہ آنے والے نبی کے باب میں ان کو پہلے سے رہنمائی دی کہ یہ اسے خود بھی پہچانیں اور دوسروں کو بھی پہچنوائیں۔ لیکن جب انھوں نے اس احسان کی یہ قدر کی کہ اللہ کے بتائے ہوئے نشانات خود مٹا رہے ہیں تو ایسے شامت زدوں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَسْوَأِهَا يَأْتُوا هِيبًا وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَكُلُّ كُفْرًا انْكَفَرُونَ (۸)

یہ اس سختی لا حاصل کی تمہیں ہے کہ اللہ کی آواز ہی ہوئی ہدایت کو اپنی من گھڑت باتوں اور اپنی ایجاد کردہ بدعات سے دبانے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے کہ سورج یا چاند کو اپنے موبہوں کی پھونک سے بجھانے کی کوشش کی جائے۔ فرمایا کہ ان کی یہ کوشش لا حاصل رہے گی۔ اللہ اپنے اس نور کو کامل کر کے رہے گا۔ یہ بہت جلد بلال سے بدرجے گا، اگرچہ یہ چیز کفار پر کتنی گراں گزرے۔

یہود کی سختی
لا حاصل کی
تمہیں

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَىٰ الدِّينِ كُلِّهِ وَكُلُّ كُفْرًا انْكَفَرُونَ (۹)

یہ اللہ متِمُّ نُورِهِ وَكُلُّ كُفْرًا انْكَفَرُونَ کی وضاحت ہے کہ اسی خدا نے اپنے نور کو کامل کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے، اپنی ہدایت اور اپنے دین حق کے ساتھ اپنے رسول کو بھیجا ہے کہ اس دین کو اس سرزمین کے تمام ادیان پر غالب کرے، اور یہ بات لازماً ہو کے رہے گی اگرچہ مشرکین کو یہ گنتی ہی ناگوار گزرے، اور وہ اس کے خلاف کتنا ہی زور لگائیں۔

غیبت اسلام کا
واضح اعلان

اوپر والی آیت میں وَكُلُّ كُفْرًا انْكَفَرُونَ فرمایا ہے جو فی الجملہ عام ہے۔ جس میں وہ سب شامل ہیں جو اس دین حق اور اس رسول برحق کے انکار کرنے والے تھے۔ اس آیت میں وَكُلُّ كُفْرًا انْكَفَرُونَ کے الفاظ ہیں جو خاص مشرکین قریش کے لیے ہیں۔ ان دونوں نفلوں نے مل کر ان تمام مخالفت طاقتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے جو اس وقت عرب میں اسلام کی مخالفت کر رہی تھیں۔ گویا ان سب کو چیلنج کیا ہے کہ تمہیں جتنا زور لگانا ہے لگا لو لیکن تم اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے۔ اللہ کا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ اس رسول کے ذریعے سے اس کا دین حق اس سرزمین کے تمام ادیان پر غالب آئے گا۔ چنانچہ یہ

بات پوری ہو کر رہی۔ بہت جلد وہ وقت آگیا کہ پورے عرب کے متعلق یہ اعلان ہو گیا کہ اس ہمزمن میں دو دین جمع نہیں ہوں گے بلکہ صرف اللہ کے دین ہی کی حکمرانی ہوگی۔ یہی مضمون سورہ توبہ میں ان الفاظ میں گزر چکا ہے۔

يُودِعُونَكَ أَنْ تَقْبَلَهُمْ نَسْرًا
اللَّهُ بِأَفْوَهِهِمْ وَيَأْتِي اللَّهُ
رَأْيَ أَنْ يَتَّبِعَهُمْ نَسْرًا وَنُكْرًا
الْمُكْفِرُونَ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ
رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينٍ الْقَوِيِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ
(التوبة: ۲۲-۳۳)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مومنوں
کی بھونک سے بچا دے اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے
کہ وہ اپنے نور کو کامل کر کے رہے گا، ان کافروں
کے علی الرغم۔ وہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے
رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اس کو
سارے دین پر غالب کرے، اگرچہ یہ بات مشرکوں
کو کتنی ہی بری لگے۔

۲۔ آگے آیات ۱۰-۱۴ کا مضمون

اوپر کے پیرے میں یہ بتایا ہے کہ اہل ایمان کے لیے یہ روش تو بالکل ہی غلط ہے کہ وہ رسول سے
صحیح و طاعت کا عہد کریں اور جب اس عہد کی ذمہ داریاں پوری کرنے کا وقت آئے تو جان و مال کی محبت
میں پھنس کر اس سے فرائض کو شش کریں۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان کے لیے صحیح روش کیا ہے جس کو
اختیار کر کے وہ دنیا اور آخرت دونوں میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ آیات کی تلاوت کیجیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ
عَذَابِ أَلِيمٍ ۝۱۰ تَوَمَّنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ ۝۱۱ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۝۱۲ ذَلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝۱۳ وَأَخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرَ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحَ
قَرِيبٍ ۝۱۴ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۵ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا

آیات
۱۴-۱۰

أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي
 إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ فَأَمَنْتُ طَائِفَةٌ
 مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتِ طَائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا
 عَلَى عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ﴿۱۳﴾

ع
۱۳

ترجمہ

۱۳-۱۰

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں ایک دردناک
 عذاب سے نجات بخشنے! تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی
 راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔ اللہ تمہارے
 گناہ بخشنے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہ رہی ہوں گی اور عمدہ
 مکانوں میں داخل کرے گا جو ابد کے باغوں میں ہوں گے۔ دراصل بڑی کامیابی یہ ہے! اور
 ایک اور چیز بھی ہے جس کی تم متنازعہ کرتے ہو۔ یعنی اللہ کی نصرت اور عنقریب ظاہر ہونے
 والی فتح! اور ایمان والوں کو بشارت دے دو! ۱۰-۱۳

اے ایمان والو! تم اللہ کے انصار بنو، جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے دعوت دی حواریوں
 کو، کون میرا مددگار بنتا ہے اللہ کی راہ میں؟ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے انصار
 بنتے ہیں تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا۔ تو ہم نے
 ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابل میں مدد کی تو وہ غالب رہے۔ ۱۴

۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ﴿۱۰﴾
 یعنی ایمان لانے اور رسول سے سب سے سب سے مطاعت کا عہد کر چکنے کے بعد اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ تمہارے

یہ صحیح روش کیا ہے تو او میں تمہیں وہ سودا بتاتا ہوں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے نجات دینے والا ہے۔ یہاں جس چیز کو تجارت (سودا) سے تعبیر فرمایا ہے اس کی وضاحت آگے آرہی ہے کہ تم اپنی جان اور اپنا مال اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار رہو اور اس کے بدلے میں اللہ کی مغفرت اور اس کی جنت کے حق دار بنو۔ یہ سب سے بڑی کامیابی ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے تمہیں بازاری کھیلنی چاہیے۔ اس آیت میں تو اس کا صلہ ہی بتایا ہے کہ دوزخ کے دردناک عذاب سے نجات پانگے لیکن آگے کی آیات میں وضاحت آرہی ہے کہ اس کے صلہ میں تمہیں آخرت کی بھی تمام کامرانیوں حاصل ہوں گی اور اس دنیا میں بھی تمہیں وہ فتح عظیم حاصل ہوگی جس کے تم متنی ہو۔ یہاں صرف عذاب سے نجات کا ذکر اس وجہ سے فرمایا کہ مومن کا اصل مطلوب یہی ہونا چاہیے کہ وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہے۔ اگر یہ چیز حاصل ہوگئی تو گویا سب کچھ حاصل ہو گیا۔

تَوَمَّنُونَ بِاللَّهِ دَرَسُورًا وَتَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذُرِّيَعًا
خَيْرًا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ لَا يُغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَهَنَّمَ تَجْوِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٌ طَيِّبٌ فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَلِكَ الْغَوْزُ الْعَظِيمُ (۱۱-۱۲)

عربیت کے اس اسلوب کی طرف جگہ جگہ ہم اشارہ کرتے آرہے ہیں کہ جب امر یا نہی کے اندر عظمت اور نامحسوسہ تلقین کا مضمون پیدا کرنا ہو تو ان کو خبریہ اسلوب میں کر دیتے ہیں چنانچہ اس آیت میں 'تَوَمَّنُونَ' ایک اسلوب اور 'تَجَاهِدُونَ' بظاہر تو خبریہ اسلوب میں ہیں لیکن یہ معنی میں امر کے ہیں۔ اس اسلوب کا فائدہ یہاں یہ ہوا کہ گویا ان کو نہایت شفقت کے ساتھ یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ تم تمہیں نہایت نفع بخش کاروبار بتا رہے ہیں کہ تم اپنا مال اور اپنی جان اللہ کے حوالہ کرو اور اس کے بدلے میں ابدی بادشاہی حاصل کرو۔ 'ذُرِّيَعًا خَيْرًا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ' یعنی بظاہر تو یہ سودا تمہیں خسارے کا سودا معلوم ہوگا اس لیے کہ تمہیں تسیر کی خاطر اپنے نقد کی قربانی کرنی پڑے گی لیکن اصل حقیقت تک تمہاری نظر پہنچ جائے تو تم یہ دیکھو گے کہ اپنے چند خرف ریزوں اور عمرانی کے چند مستعار لمحات کے بدلے میں تم نے دولت کو نین حاصل کی ہے جس کے لیے کبھی زوال نہیں ہے۔

ذَلِكَ الْغَوْزُ الْعَظِيمُ۔ اس دولت کو نین کی طرف بالاجمال اشارہ کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر سوچو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ سب سے بڑی کامیابی ہے جو تمہیں حاصل ہوئی۔ اپنی حقیر تاع سے اس سے بڑی کوئی اور کامیابی تم حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ اس نفع بخش کاروبار کا ذکر دوسرے مقام میں یوں آیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لِيُوا الْجَنَّةَ ط (التوبة ۹۰-۱۱۱)

(اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے عوض میں خرید لیے ہیں)۔

وَأُخْرَى يُحِبُّونَهَا لَصَرَفِ اللَّهِ وَوَجْهِ قَرِيبٍ وَبَشِيرِ الْمُؤْمِنِينَ (۱۱۳)

اس دنیا میں ایک ایسی کامیابی کی طرف بھی اشارہ فرمادیا جو ان کو مغرب اس دنیا میں ظاہر ہونے والی ہے۔ فرمایا کہ ایک اور کارنامی بھی تم کو حاصل ہوگی جو مغرب ظاہر ہونے والی ہے۔

یہ اشارہ ہمارے نزدیک فتح مکہ کی طرف ہے۔ ہجرت کے بعد سب سے بڑی تمتہ جو ہر مسلمان کے دل میں جاگزیں تھی وہ فتح مکہ ہی کی تھی۔ اسی پر اسلام کے اصل دشمنوں کی شکست کا انحصار بھی تھا اور یہی غلبہ حق کی سب سے بڑی شہادت بھی تھی۔ اس وجہ سے ہر مسلمان اپنی تمام جہد و جہد کے اصل نصب العین کی حیثیت سے اس کا آرزو مند تھا۔ فتح مکہ کی صفت یہاں "قُرَيْبٌ" آئی ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ سورہ اس دور میں نازل ہوئی ہے جب فتح مکہ کے ظہور میں زیادہ دیر باقی نہیں رہ گئی تھی۔ بعض لوگوں نے سورہ کا زمانہ نزول غزوہ احد کے لگ بھگ بتایا ہے لیکن یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ سورہ کے زمانہ نزول کا اندازہ کرنے کے لیے سب سے زیادہ نوزوں مانند یہی آیت ہو سکتی ہے اور اس سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ یہ فتح مکہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی ہے۔

وَيَبْرِئُ الْمُؤْمِنِينَ يَجِبُ زَبَانٍ بِرَفْحٍ مَكَرًا ذَكَرَ أَنَّكَ تَوْرِعِلُ اللَّهُ تَعَالَى نَسِيخًا مَعِي صِلَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَهَدَايَةِ فَرَادَى كَرَابِ تَمَّ مَسْلَمَانِي كُبَشَارَتِ سَادُوكِ يَمَارِكِ سَاعَتِ دَوْرٍ نَهَيْتِ هِي - اس کا ظہور جلد ہی ہونے والا ہے۔ لوگ جو صلہ بلند رکھیں اور اس کا انتظار کریں۔ فتح مکہ کی بشارت مختلف اسلوبوں سے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر وارد ہوئی ہے۔ اگرچہ قطعیت کے ساتھ کہتا تو مشکل ہے لیکن یہ بشارت اس طرح وارد ہوئی ہے کہ گمان ہوتا ہے کہ شاید سب سے پہلی بشارت یہی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا الصَّارِقِينَ اللَّهُ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِّلْحَوَارِيِّينَ مَن انصَارَى إِلَى اللَّهِ فَكَأَلِ الْخَوَارِيُّونَ نَحْنُ انصَارُوا لِلَّهِ فَأَمْنَتِ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتِ طَائِفَةٌ ۚ فَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدْوِهِمْ فَاصْبِرُوا طَاهِرِينَ (۱۴)

اوپر آیت ۱۴ میں مسلمانوں کو یہودی کی روش کی تقلید سے روک رہے کہ اگر ان کے نقش قدم پر چلو گے تو اسی ذریعہ نظر میں مبتلا ہو کر رہو گے جس میں وہ مبتلا ہوئے۔ اب یہ بتایا کہ تمہارے لیے قابل تقلید نمونہ حواریین کا ہے جنہوں نے یہودی کی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی تکذیب نہیں کی بلکہ جب حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کو اللہ کے لیے اٹھنے کی دعوت دی تو وہ پورے جوش دلی کے ساتھ اس راہ میں نصرت و رفاقت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور اللہ نے بالآخر انہی جان شادوں کو غلبہ حق کا ذریعہ بنایا۔

لفظ "خواری" عربی میں اہل کتاب سے آیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے معنی سرگرم و چر جوش حامی و حمایتی کے ہیں۔ قرآن مجید اور انجیل دونوں سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب یہود کے علماء و فقہاء کے رویے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے غریب و عوام اور دریا کے کنارے کے ماہی گیروں کو دعوت دی کہ ان کے مچھلیوں کو پکڑنے والا ڈالو، میں تمہیں آدمیوں کے پکڑنے والا بناؤں۔ بالآخر انہی کے اندر سے ایک مختصر جماعت

تین سو تین سو آدمیوں کی، پورے جوہش دلی کے ساتھ، دعوت کے کام میں تعاون کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔
 'مَنْ أَنْصَرَىٰ إِلَى اللَّهِ' کے اسلوب بیان سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا
 کہ میں تو خدا کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر اللہ کی طرف چل کھڑا ہوا ہوں۔ تم میں سے جن کے اندر اس راہ میں میری رفاقت
 کا حوصلہ ہو وہ اٹھے اور میرے ساتھ دے۔ حواریتین نے 'نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ' کہہ کر اس دعوت پر
 تکیہ کیا۔

'فَأَمَّنَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ نِّسْوَةِ إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ قَرِينَةٌ لِّهَا هِيَ كَمَا كَانَ لَفِظِ طَائِفَةٌ'
 کی تفسیر ایک جگہ تفصیل کے مفہوم میں ہے اور دوسری جگہ کثیر کے مفہوم میں۔ یعنی بنی اسرائیل میں سے ایک مختصر گروہ
 (حواریتین کا گروہ) تو ایمان لایا اور ایک بڑا گروہ اپنے کفر پر اڑا رہ گیا لیکن خدا کی تائید اہل ایمان کو حاصل ہوئی
 اور وہ بالآخر اہل کفر پر غلبہ ہو گئے۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ سیدنا مسیح علیہ السلام کی دعوت کی تکذیب کے
 بعد سے آج تک یہود کو کبھی اقتدار حاصل نہیں ہوا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں وہ رومیوں کے
 محکوم تھے، پھر قسطنطین کے نصرانیت قبول کر لینے کے بعد سے وہ برابر نصاریٰ کے محکوم رہے اور آج بھی
 جب کہ بظاہر ان کی ایک آزاد حکومت ہے وہ عیسائیوں ہی کے زیر دست ہیں۔

قرآن مجید میں یہ مضمون دوسرے مقام میں اس طرح بیان ہوا ہے:

فَلَمَّا آتَتْ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ؕ قَالَ الْخَوَارِثُونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ ؕ أَمْثًا يَا اللَّهُ وَ شَهِدْ يَا نَا مُسْلِمُونَ ؕ رَبَّنَا أَمْثًا بِمَا أَتَوْنَا وَ تَبِعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ؕ	پس جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے (علیٰ یہود کی طرف سے) کفر کو بھانپ لیا تو اس نے دعوت دی کہ اللہ کی طرف بڑھنے میں کون میرے مددگار بنتے ہیں! حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار بنتے ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلم ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے اس چیز پر جو تو نے اتاری اور ہم نے رسول کی پیروی کی تو ہم کو گواہی دینے والوں میں لکھ۔
---	---

(آل عمران - ۵۲: ۵۳)

اللہ تعالیٰ کی تائید سے اس سورہ کی تفسیر ان سطور پر تمام ہوئی۔ فالحمد لله علیٰ ذلک۔

رحمان آباد

۱۳ - مارچ ۱۹۶۸ء

۳ - ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ